حجۃ اللہ البالغہ کا منہج واسلوب اور شاہ ولی اللہؒ کا فکر و فلسفہ

The mannerism and style of HujjatUllah Al- Baligha and the thought & philosophy of Shah Waliullah Dehlavi (R.A)

Saleem Ullah Masroor
Ph.D. Scholar, MY University, Islamabad:
saleemullah.masroor@gmail.com

Abstract:
This study explores the distinctive mannerisms and stylistic nuances evident in the works of HujjatUllah Al-Baligha, juxtaposed with an in-depth analysis of the philosophical underpinnings and intellectual contributions of Shah Waliullah Dehlavi. Through a comparative examination, it delves into the literary and intellectual landscapes shaped by these eminent figures, highlighting their respective influences on Islamic thought and philosophy. By scrutinizing their methodologies, rhetorical devices, and ideological frameworks, this study seeks to elucidate the profound impact of their writings on religious discourse and scholarly traditions. Ultimately, it endeavors to provide a comprehensive understanding of the rich heritage of Islamic scholarship embodied in the works of HujjatUllah Al-Baligha and the profound philosophical insights of Shah Waliullah Dehlavi.

Keywords: *HujjatUllah Al- Baligha, Mannerism, Style, Shah Waliullah Dehlavi R.A, Thought, Philosophy*

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہندوستان کی ان منتخب اور چنندہ شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علمی و فکری نظریات کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے، جن کی فکر ایک دبستان کی حیثیت سے آج سب سے زیادہ مقبول ہے، اور " فکر ولی اللہی" اور "مکتب ولی اللہی" اہل علم کے حلقوں میں زبان زد ہے، شاہ صاحب کی تصانیف پچاس سے زائد ہیں اور ان کی تمام تصانیف حقائق و معارف کے موتی بکھیرنے میں اپنی مثال آپ ہیں، لیکن ان کی قابل قدر تصنیف، لازوال شہرت کی حامل اور شریعت کے اسرار و حکم کو واضح کرنے والی کتاب، جن کے بارے میں تبصرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ماضی قریب اور ماضی بعید میں اب تک کسی خامۂ نگار کے گوہر قلم سے ایسی کتاب منصہ شہود پر نہیں آئی، یعنی "حجۃ اللہ البالغہ" جس نے اشاعت کے وقت سے ہی علمی حلقوں میں ایک غلغلہ پیدا کر دیا ہے اور ارباب فکر و دانش کو دعوت فکر دی ہے، شاہ صاحب کی یہ کتاب عربی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل ہے، مختلف مطابع سے متعدد بار تصحیح

وتحشیہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، نیز مختلف مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس کے منتخب ابواب داخل نصاب ہیں۔

مقالہ ہذا میں اسی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا منہج واسلوب بیان کیا گیا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی فکر کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جس میں سب سے پہلے صاحب کتاب تعارف پیش کیا گیا ہے اور پھر کتاب کا تعارف پیش کرتے ہوئے منہج واسلوب کو مثالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، آخر میں شاہ صاحب کی فکر اور اس کی تحریک کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

صاحب کتاب کا تعارف:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہویں صدی کی ان نابغہ روزگار شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، آپ نے نئے عہد اور نئے دور کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو نئی علمی وعقلی بنیادوں پر تعمیر کیا، اسلامی ہند کے زوال سے آج تک جو کچھ بھی علمی ودینی سرگرمیاں نظر آرہی ہیں وہ سب اسی خانوادۂ ولی اللہی کا فیض ہے، شاہ صاحب کی ولادت عظیم مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل 14 / شوال 1114ھ مطابق 21 / فروری 1703ء چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت قصبہ "پھلت" ضلع مظفر نگر میں ہوئی، آپ کا نام ولی اللہ قطب الدین احمد ہے اور تاریخی نام "عظیم الدین" ہے، کنیت "ابو عبد العزیز" اور "ابو الفیاض" ہے، آپ کے والد ماجد کا نام عبد الرحیم اور دادا کا نام وجیہ الدین ہے، آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے موسی کاظم تک پہنچتا ہے۔[1]

شاہ صاحب کا خاندان قدیم زمانے سے اسلامی وسیاسی علم وفضل کا جامع چلا آتا ہے، ان کے خاندان میں شجاعت، سخاوت اور علم فضل کی بلند پایہ شخصیتیں پیدا ہوئیں، آپ کے خاندان کے سب سے پہلے شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان تشریف لائے، آپ کے جد امجد شیخ وجیہ الدین زندگی بھر کفار ہند کے خلاف نبرد آزما رہے اور دنیائے شجاعت میں محیر العقول کارنامے چھوڑے، آخر کار سلطان محی الدین محمد عالمگیر کے عہد میں شہادت پائی، شیخ وجیہ الدین کے تین لڑکے تھے شیخ ابو رضاء محمد شیخ عبد الحکیم شیخ عبد الرحیم، جن کی ولادت 1054ھ ہے۔

---

[1] مفتی سعید احمد پالنپوری، رحمہ اللہ الواسعۃ، ج ا، ص ۲۵، مکتبہ حجاز دیوبند، سن طباعت ۲۰۰۱ء

تعلیم:

پانچ سال کی عمر میں آپ کو مکتب میں داخل کیا گیا، ابھی آپ کی عمر سات برس کی نہیں ہوئی تھی کہ قرآن مجید حفظ کر لیا، چناں چہ اسی سال آپ کے والد ماجد نے روزہ رکھنے اور تمام ارکان اسلام کی پابندی کرنے کی وصیت کی، ساتویں سال میں آپ نے فارسی شروع کی، ایک سال میں فارسی کی تعلیم سے فارغ ہو کر صرف و نحو کی درسی کتابیں شروع کیں، دس برس کی عمر میں آپ شرح ملا جامی پڑھنے لگے، آپ نے لغت، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تصوف، عقائد، منطق، طب، فلسفہ، ہیئت اور حساب کی بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور پندرہ برس کی عمر میں یہ کتابیں ختم کر لیں۔[2]

1131ھ میں آپ نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں پڑھانا شروع کیا اور بارہ برس تک اپنے فکر و فن کو عام کرتے رہے اور علم و معرفت کے روشن چراغ سے مغلیہ سلطنت کے تاریک دور میں شمع فروزاں کرتے رہے، بارہ سال بعد 1143ھ میں حرمین کی زیارت اور حج کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے، دو سال حجاز میں رہ کر وہاں کے علماء سے سند حدیث حاصل کی، حجاز کے اساتذہ میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی سب سے اہم ہیں، علماء حرمین سے علوم ظاہری و باطنی میں بھرپور استفادہ کے بعد شاہ صاحب 14 / رجب 1145ھ کو دہلی پہنچے اور دوبارہ مدرسہ رحیمیہ میں مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر کتاب و سنت کے علوم پھیلانے میں مشغول ہو گئے، بڑے بڑے ماہرین فن آپ کی شاگردی کو مایۂ فخر سمجھتے تھے، شاہ صاحب کے عہد میں حدیث سے بے اعتنائی بہت زیادہ تھی اور فقہی تصلب پوری شدت سے تھا، اسی لیے شاہ صاحب نے حدیث کی اہمیت واضح کی اور لوگوں کو کتاب و سنت کے مطالعہ کرنے اور ان کو سب سے پہلا مقام دینے اور ہر اختلافی امر میں کتاب و سنت کو مرجع تسلیم کرنے کی طرف توجہ دلائی، 63 / سال کی عمر میں 1176ھ میں علم و حکمت کا آفتاب نیر تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، لیکن ان کی تصنیف و تالیف کی برقی قمقموں سے آج بھی علم و فن کے مدرسے روشنی ہیں۔

شاہ صاحب کی تصنیفات ایک سو سے زائد ہیں، جن میں سے پچاس کے قریب تالیفات کا پتہ چلتا ہے، شاہ صاحب کی تفسیر، حدیث، تصوف اور دوسرے اسلامی موضوعات پر ایسی تالیفات ہیں جن کو دیکھ کر علوم ظاہر و باطن میں شاہ صاحب کی امامت کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں، شاہ صاحب کی تصنیفات میں "فتح الرحمن ترجمۃ القرآن" سب سے

---

[2] محمد منظور الوحیدی، (مترجم) حجۃ اللہ البالغہ، ج ا، ص ۹، مکتبہ تھانوی دیوبند، سن طباعت ۱۹۸۶ء

اہم ہے، یہ قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے اور یہ قرآن کریم کا کسی دوسری زبان میں پہلا ترجمہ ہے، اس پر شاہ صاحب کو بہت مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا اور مصائب وآلام کی پر خار وادیوں سے بھی گزرنا پڑا تھا، اصول تفسیر میں " الفوز الکبیر " اور حدیث میں "المسوی من احادیث الموطا" اور " المصفی شرح موطا" اور " تراجم ابواب بخاری" تصوف میں سطعات، ہمعات، لمعات، انتہائی قابل قدر اور غیر معمولی شہرت کی حامل تصانیف ہیں۔

کتاب کا تعارف:

حجۃ اللہ البالغہ، شاہ صاحب کی ایک منفرد، یگانہ اور مہتم بالشان تصنیف ہے، جس میں شاہ صاحب نے اسرار شریعت اور اس کے رموز و حکم سے بحث کی ہے اور عصر جدید میں اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دیا ہے، اگرچہ یہ کتاب اسرار شریعت کے موضوع پر لکھی گئی ہے؛ لیکن شاہ صاحب نے اس میں حدیث، فقہ، اخلاق، تصوف اور فلسفہ پانچوں مضامین کا عطر کشید کر دیا ہے، شاہ صاحب اس سلسلے میں فرد فرید ہیں، جنہوں نے علوم شریعت کے اسرار بیان کرنے میں علمی تحقیقات کی بنیاد رکھی ہے اور کتاب کے ہر حکم کی ایسی مستحکم علت بیان کی ہے کہ کسی دور کا کوئی فلسفہ اس کو رد نہیں کر سکتا ہے، بہت سے تبصرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ اس موضوع پر پہلی تصنیف ہے، اس کے بعد اگرچہ اس موضوع پر دیگر اہل علم نے خامہ فرسائی کی، اپنی علمی و فکری صلاحیت کو استعمال کیا، لیکن شاہ صاحب کی یہ کتاب اپنے موضوع اور جامعیت کے اعتبار سے آخری کتاب ہے، یہ کتاب شاہ صاحب نے انتہائی استغراقی کیفیت میں بالہام ربانی تحریر فرمائی ہے، اس لیے کتاب میں جگہ جگہ لکھتے ہیں: "علّمني ربي، الهمني ربي" یہ کتاب عربی زبان میں دو جلد میں ہے اور جوامع الکلم کے طرز پر شاہ صاحب کی تحریر ایجاز واختصار کے ساتھ جامعیت و معنویت کا بہترین نمونہ ہے، اب تک اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، اردو میں اس کی مفصل شرح بھی آچکی ہے، بعض لوگوں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے، ہندوستان اور عالم اسلام کے مختلف مطابع سے متعدد بار شائع ہوتی آرہی ہے، اصل کتاب پر بعض علمائے ہند کے گراں قدر حواشی بھی ہیں، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مفتی سعید احمد پالنپوری نے متعدد نسخوں سے مقابلہ کر کے قیمتی اور مفید حواشی کے ساتھ اس کو دو جلدوں میں ایڈٹ کیا ہے، جو اس وقت حجۃ اللہ البالغہ کا غالباسب سے بہتر نسخہ ثابت ہو گا۔

حجۃ اللہ البالغہ کا موضوع اور مضامین:

"حجۃ اللہ البالغہ" کا بنیادی موضوع احکام شریعت کی مصالح و حکمتیں اور ان کے اسرار ہیں۔ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فنی لحاظ سے آپ نے متعدد مضامین کو بیان کیا ہے جن میں تعلیمات ربانی، عقائد، احادیث، فقہ، اصول فقہ، عبادات و معاملات، اخلاقیات، تمدن و تہذیب، سیاسیات، کسب معیشت کے طریقے، تدبیر منزل، خلافت و قضا، جہاد، آداب

صحبت، معاشرت، فتن، حوادث مابعد، اور علامات قیامت وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اوران مختلف موضوعات وابواب کے اسرار و مقاصد اس طرح بیان کیے ہیں کہ ان مسائل کا تعلق انسانی زندگی سے مربوط نظر آتا ہے۔ اور احکام شرعیہ کی حکمتیں اور اسرار و بھید عقلی و نقلی دلائل سے بیان کیے ہیں۔

یہ کتاب دو بڑے حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ اوامر و نواہی کے مفید اصولوں پر محیط ہے اور اس میں سات مباحث ہیں اور ان میں بھی ہر بحث متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اسلامی احکام کی عقلا تعبیر و تشریح کی گئی ہے جن میں پیش نظر فقہی موضوعات کی ترتیب ہے۔

ابواب کا تعارف:

شاہ صاحب نے اس کو دو جلدوں میں مکمل کیا ہے، پہلی جلد میں سات مباحث ہیں اور ہر مبحث کو کئی کئی ابواب پر ختم کیا ہے، سب سے پہلے شاہ صاحب نے ان قواعد کلیہ کو ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ شرعی احکام میں ملحوظ مصلحتوں کو ان قواعد کے ذریعہ استنباط و تخریج کیا جاتا ہے۔

پہلی بحث: اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان کو کیوں مکلف بنایا گیا ہے اور اس پر جزا و سزا مرتب ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟ اس بحث میں تیرہ ابواب ہیں، پہلا مسئلہ ابداع و خلق و تدبیر کا ہے، چوں کہ تخلیق کائنات سب سے پہلا مسئلہ ہے، لہٰذا ایک جامع کتاب میں سب سے پہلے یہی مسئلہ زیر بحث آنا چاہیے۔

دوسری بحث: اس بحث میں شاہ صاحب نے موت کے بعد مجازات کی کیفیت بیان کی ہے، اس میں چار ابواب ہیں، جس میں موت کی حقیقت، مرنے کے بعد کی زندگی کے احکام اور حشر کے کچھ واقعات کو بیان کیا ہے۔

تیسری بحث: اس میں زندگی کے اہم ترین مسئلہ یعنی ارتفاقات کو بیان کیا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں کن اصولوں پر گام زن ہو کر ہم دنیا میں عروج حاصل کر سکتے ہیں، اپنی زندگی کو خوش گوار بنا سکتے ہیں اور اپنی اجتماعی وانفرادی زندگی کو کامرانی سے دوچار کر سکتے ہیں، اسی طرح سربراہ مملکت کے ضروری اوصاف، نظام حکومت، سرکاری عملہ کے نظم وانتظام اور خلافت کبری کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چوتھی بحث: اس میں سعادت پر بحث کی ہے کہ سعادت کیا ہے؟ لوگوں میں سعادت کے اعتبار سے اختلاف اور حصول سعادت کے طریقوں پر مفصل بحث کی ہے۔ اور طہات (پاکی) اخبات (اللہ کے حضور میں نیاز مندی) سماحت (فیاضی) اور عدالت (انصاف) جیسی صفات اور اس کی تحصیل و تکمیل کے متعلق کلام کیا ہے۔

پانچویں بحث: اس میں نیکی اور بدی پر بحث کی ہے اور اس کو سترہ ابواب پر تقسیم کیا ہے اور زیادہ تر توحید، شرک اور ایمان پر کلام کیا ہے، اسی طرح شعائر اللہ کی تعظیم، وضو، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے اسرار اور حکمتوں کو بیان کیا ہے۔

چھٹی بحث: اس میں سیاسیات ملیہ پر کلام کیا ہے اور اس کو اکیس (21) ابواب پر منقسم کیا ہے، جس میں ملت کے مختلف امور، ہادیانِ قوم، ادیانِ سابقہ، اسلام اور دورِ جاہلیت پر قیمتی بحث ہے۔

ساتویں بحث: جلد اول کی یہ آخری بحث ہے، جس میں علوم نبوت، کتب حدیث، صحابہ و تابعین اور فقہاء کے اختلافات پر پر مغز کلام کیا ہے، اخیر میں طہارت و نماز کے مسائل بالتفصیل بیان کر کے جلد اول کو ختم کیا ہے۔

جلد دوم: شاہ صاحب نے دوسری جلد میں زیادہ عبادات، باہمی معاملات اور سیاسیات پر بحث کی ہے، سب سے پہلے نماز، روزہ اور حج کے ابواب کو ذکر کیا ہے، اس جلد کو شاہ صاحب نے مباحث میں تقسیم نہیں کیا ہے، بلکہ ہر بحث پر ا یک عنوان لگا دیا ہے، عبادات بدنیہ ومالیہ کی ابحاث کے بعد کاروبار کرنے اور روزی کمانے کے آداب واحکام بیان کیے ہیں، اس کے بعد تدبیر منزل کے مباحث کو پیش کیا ہے، اسی طرح نکاح، طلاق، حقوق زوجیت اور تربیت اولاد وغیرہ جیسے ضروری امور پر مفصل بحث کی ہے اور اس کے بعد ملکی اور قومی امور پر کلام کیا ہے، خلافت، حدود، قضا، جہاد اور دوسرے قومی اہمیت کے حامل افکار پر ایسے انداز سے قلم اٹھایا ہے کہ دور جدید وقدیم کے علم وفضل کے بڑے بڑے دعویدار ساکت وصامت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ان مباحث کے بعد شاہ صاحب نے عام زندگی کے آداب، لباس، تہذیب اور دوسرے عام اصول ہائے زندگی پر بحث کر کے آئندہ کے فتنوں اور آخر میں مناقب صحابہ پر کتاب کو مکمل کیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی خصوصیات:

شاہ صاحبؒ کی یہ عظیم الشان تصنیف اپنے موضوع پر جدت اور ندرت کا عنصر لیے ہوئے ہے۔ اس کے صرف ادبی اسلوب کو اگر زیر بحث لایا جائے تو اس پر مستقل ایک مقالہ کی ضرورت ہے۔ اور جن دلائل وبراہین سے آپ نے استدلال کیا ہے اگر صرف اس استنباط واستدلال پر غور وفکر کیا جائے تو یہ بھی بڑے اعلی درجے کا کام ہو گا۔ اور دینی واسلامی فکر کو جس انداز میں آپ نے پیش کیا ہے اگر اس پر بات کی جائے تو آپؒ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جو آپؒ کو عالم اسلام کی ان شخصیات میں شامل کرتا ہے جن پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔

جب سے یہ کتاب منصہ شہود پر آئی ہے ہر دور میں اس کی درس و تدریس کے سلسلے جاری رہے اور اس سے راہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔ جو عربی زبان وادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے نہ صرف ذوق تسکین کا باعث ہے بلکہ اہل علم کے لیے بھی ایک ایسی دوا ہے جو فکری اور عقلی راستوں میں شکوک وشبہات کے زہریلے کانٹوں بھرے میدانوں سے گزرتے وقت تریاق کا باعث ہے۔ تشنگان علوم اسلامیہ کے لیے ایک ایسا جام ہے جو ایک دفعہ اس کا ذائقہ چکھ لیتا ہے وہ اس کی حلاوت سے مخمور نظر آتا ہے۔

اسلوب بیان وطرز استدلال:

شاہ صاحب کے اسلوب بیان میں بڑی ندرت پائی جاتی ہے، شاہ صاحب کے اسلوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے اپنے اسلوب کی تشکیل کی ہے، خاص طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے طرز ادا کی پیروی کی ہے، مولانا گیلانی شاہ صاحب کے اسلوب اور عربی زبان میں اظہار وابلاغ کی غیر معمولی قدرت کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"عربی میں انہوں نے جتنی کتابیں لکھیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے، پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب نے عربی انشاء وادب کا جو نیا قالب تیار کیا ہے، یہی نہیں کہ ہندوستانی مصنفین میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی، بلکہ میں نہیں جانتا کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک کسی علاقے کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے، شاہ صاحب کے اس اسلوب بدیع کی کیا خصوصیتیں ہیں مختصر لفظوں میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ پہلے آدمی ہیں جن کی عبارتوں میں زیادہ جوامع الکلم النبی الخاتم کے طرز گفتگو کی پیروی ہے۔"[3]

معراج محمد بارق حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمے میں شاہ صاحب کے طرز تحریر کا تجزیہ کرتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ نے مروجہ طرز نگارش کو جو محض نامانوس اور پر شکوہ الفاظ کے طلسم اور فضائیہ قافیہ پیمائی کے لیے افسوں میں گھرا ہوا تھا، وسعت بخشی اور اس قابل کر دیا کہ وہ ان لفظی گورکھ دھندوں اور بے جا ثقالت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حکیمانہ خیالات اور علمی مضامین کو بطریق احسن پیش کر سکے، زمانہ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی، پھر ابن خلدون کے بعد آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جنہوں نے اس اسلوب کو زندہ کیا۔"[4]

---

[3] حنیف گنگوہی، ظفر المحصلین، ص ۵۰، دارالاشاعت کراچی سن طباعت ۲۰۰۰ء

[4] حجۃ اللہ البالغہ ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۴۹ شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، علی گڑھ، سن طباعت ۲۰۰۲ء

"حجۃ اللہ البالغہ "میں ایک نیا اسلوب اور منفرد طرز تحریر سامنے آیا ہے، جو جامعیت، زور بیان، تحکم واعتماد اور فصاحت وبلاغت کا شاہکار ہے۔ جس میں انشاء کا ایک خاص انداز ہے جو پوری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔ مختصر اور جامع کلمات کے استعمال کے ساتھ ایسی خوبصورت تراکیب ومحاورات اور استعارات وتشبیہات اور تمثیلات سے کام لیا گیا ہے جن میں ایک خاص توازن واعتدال ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کا جو منہج واسلوب بیان سامنے آتا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ متعدد مقامات پر بصیغہ امر استعمال کرتے ہوئے " اِعْلَم" (جان لیجئے) سے بات شروع کرتے ہیں۔ ۲۰۰ سو سے زائد مقامات پر "اِعْلَم" کو لائے ہیں۔ جس کا مقصد مخاطب کو متوجہ کر کے اہم فوائد و نکات بیان کرنا ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں تحقیق کرنے والے محقق کو نگران مقالہ کی طرف سے یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنا میدان منتخب کرے، کہ کس شعبہ میں اسے مناسبت ہے اور وہ زیادہ بہتر کام کر سکتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ موضوع کا انتخاب کرے اور مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے مقالہ تحریر کرے۔ یہی بات شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز اِعْلَم (جان لیجئے) سے شروع کی ہے۔ لکھتے ہیں:

فاعلم ان لکل فن خاصة ولکل موطن مقتضی فکما انه لیس لصاحب غریب الحدیث ان یبحث عن صحة الحدیث وضعفه ولا لحافظ الحدیث ان یتکلم فی الفروع الفقهیه وایثار بعضها علی بعض فکذالک لیس للباحث عن اسرار الحدیث ان یتکلم بشئ من ذلک انما غایة همته ومطمح بصره هو کشف السر الذی قصده النبی ﷺ فیما قال سواه بقی هذاالحکم محکما او صار منسوخا او عارضه دلیل آخر فوجب فی نظر الفقیه کونه مرجوحا نعم لا محیص لکل خائض فی فن ان یعتصم باحق ما هنالک بالنسبة الی ذالک الفن [5]

"جان لیجئے ہر فن کی ایک خاصیت اور ہر جگہ کا کوئی مقتضیٰ ہوتا ہے۔ پس جس طرح یہ بات کہ فن غریب الحدیث کے مصنف کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حدیث کی صحت وضعف کو زیر بحث لائے، اور نہ حافظ الحدیث کے لیے مناسب ہے کہ وہ فقہی مسائل کے بارے میں اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کے لیے کلام کرے، پس اسی طرح حدیث کے اسرار سے بحث کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے بارے میں کلام کرے، اس کی پوری توجہ اور اس کے پیش نظر اس راز کو ہی کھولنا چاہیے جس کا نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں قصد فرمایا ہے۔ عام ازیں وہ وہ حکم محکم باقی ہو، یا منسوخ ہو گیا ہو، یا اس کے معارض کوئی اور دلیل آگئی

[5] شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، س ن، جلد ا، صفحہ ۱۰

ہو جس کی وجہ سے مجتہد کی نظر میں وہ روایت مرجوح قرار پائی ہو البتہ یہ ضروری ہے کسی بھی فن میں داخل ہونے والے کے لیے کہ وہ اس چیز کو پکڑے جو اس فن میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔"

شاہ صاحب نے ایک بہت اہم فائدہ بیان کیا ہے کہ ہر فن کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور ہر مقام کا اپنا تقاضا ہوتا ہے ۔اسی کے مطابق مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے۔یعنی محدث کا کام ہے احادیث بیان کرنا اگر وہ فقیہ نہیں ہے اور فتوی نویسی کے فرائض سرانجام دینا شروع کردے تو اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہوگا۔اور اسی طرح فقیہ کا کام مسائل کا استخراج اور احکام کا استنباط ہے وہ اپنا کام چھوڑ کر غریب الحدیث پر توجہ شروع کردے تو اس کا بھی فائدہ نہیں ہوگا۔علی ہذاالقیاس احکام اسلام کی مصالح اور حکمتیں بیان کرنے والے کو بھی اپنے موضوع پر توجہ کرنی چاہیے۔اور اسی طرح اگر کوئی کسی فن پر کام کر رہا ہو اور دوسرے فن کی طرف مراجعت کی نوبت آئے تو اس فن کی قابل اعتماد اور راجح باتوں کو اختیار کرنا چاہیے۔مثلاً فقہ پر کام کرتے ہوئے حدیث نقل کرنی ہے تو ان احادیث کا انتخاب کیا جائے جو صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

۲۔شاہ صاحب کئی مقامات پر صیغہ متکلم استعمال کرتے ہوئے "اَقُوْلُ" (میں کہتا ہوں) سے کلام کرتے ہیں۔اور ۲۷۵ سے زائد مقامات پر اس کو لائے ہیں جس کے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں تاہم چند مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔آیات قرآنیہ کی تفسیر۔ ۲۔احادیث کی تشریح ۳۔آیات میں مطابقت۔ ۴۔فقہی مسالک کے درمیان قرب پیدا کرنا۔

آیت قرآنیہ کی تفسیر کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ[6]

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

شاہ صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول الظاہر ان المحکم مالم یحتمل الا وجھا واحد مثل:(حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ)[7] والمتشابہ ما احتمل وجوھا وانما المراد بعضھا کقولہ تعالی:(لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

---

[6] القرآن الکریم۔۳:۷

[7] القرآن الکریم۔۴:۲۳

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰت) [8] حملها الزائعون على اباحة الخمر ما لم يكن يعنى او افساد فى الارض والصحيح حملها على شاربها قبل التحريم [9]

"میں کہتا ہوں آیت کے ظاہر اور واضح معنی یہ ہیں کہ محکم آیت وہ ہے جس کے اندر صرف ایک ہی وجہ کا احتمال ہو۔ مثلاً 'حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں۔' اور متشابہہ آیت وہ ہے جس میں چند وجوہ کا احتمال ہو اور مقصود و مراد ان میں سے بعض وجوہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا 'جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکیجب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے۔' اس آیت سے بعض کج فہموں نے خمر و شراب کی اتنی مقدار مباح کر دی جو زمین میں فساد اور شر و فتنہ کے درجہ کو نہ پہنچے اور صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے حق میں ہے جو خمر و شراب کی حرمت سے پہلے شراب پیا کرتے تھے۔"

شاہ صاحب نے "اَقُوْلُ" سے بات کا آغاز کیا اور محکم و متشابہ کی مع مثال وضاحت فرمائی اور ساتھ ہی ان لوگوں کی غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے آیت سے غلط مفہوم نکالا۔

دوسری مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ [10]

"اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مومن غلام آزاد کرے۔"

شاہ صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اقول انما وجب فى الكفارة تحر ير رقبة مومنة او اطعام ستين مسكينا ليكون طاعة مكفرة له فيما بينه وبين الله فان الدية مزجرة تورث فيه الندم بحسب تضييق الناس عليه والكفارة فيما بينه وبين الله تعالى [11]

"میں کہتا ہوں اس قتل کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس لیے واجب کیا گیا تا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان یہ طاعت اس کے لیے گناہ مٹانے والی عبادت بن جائے، بے شک دیت زجر کا ذریعہ ہے وہ

---

[8] القرآن الکریم۔ ۵:۹۳

[9] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۲

[10] القرآن الکریم۔ ۴:۹۲

[11] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۳

اس پر ندامت پیدا کرتی ہے لوگوں کی تنگی کے اعتبار سے اور کفارہ اس کے اور اللہ کے درمیان ندامت پیدا کرتا ہے "۔

شاہ صاحب کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ شریعت نے قتل خطا میں مومن غلام کا آزاد کرنا یا دوماہ کے روزے رکھنا بطور کفارہ اس لیے مقرر کیا تاکہ اس نیکی سے اس کا گناہ مٹ جائے، کفارہ بندے اور اللہ کے درمیان ندامت کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور دیت اس لیے واجب کی کہ اس کا ادا کرنا عاقلہ کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ خوب ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ کریں گے کہ تمہاری وجہ سے ہم سب مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ اس سے اسے شدید ندامت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

واضح رہے کہ شاہ صاحب نے قتل خطا کے کفارہ میں جو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان سے تسامح ہوا ہے اس لیے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں صرف اتنا ہے کہ مومن غلام آزاد کرے یا ساٹھ روزے رکھے۔

حدیث کی تشریح کی مثال:

حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا [12]

"جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لیے سیکھا کہ اس کے ذریعہ اسے دنیا کا کچھ مال ومتاع مل جائے تو ایسا شخص جنت کی خوشبو کو بھی نہیں پاسکے گا قیامت کے دن، یعنی جنت کی ہوا۔"

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول يحرم طلب العلم الدينى لاجل الدنيا ويحر م تعليم من يرى فيه الغرض الفاسد لوجوه :منها ان مثله لا يخلوغالبا من تحريف الدين الدنيا بتاويل ضعيف فوجب سد الذريعة ومنها ترک حرمة القرآن والسنن وعدم الاكتراث بها [13]

"میں کہتا ہوں دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے۔ اور اس شخص کو سکھانا بھی حرام ہے جو فاسد غرض رکھتا ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ اس طرح کا آدمی عام طور پر دنیا کمانے کے لیے کمزور تاویلات کے ذریعے دین کی

---

[12] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السجستانی، ابو داؤد، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ، س ن، جلد ۳، صفحہ ۳۲۳

[13] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱

تحریف سے باز نہیں آتا، پس اس راستہ کا بند کرنا ضروری ہوا۔ اور ان حرمت کے اسباب میں سے دوسرا یہ کہ ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن وسنت کا احترام نہ رکھنا ہے اور ان کی پرواہ نہ کرنا ہے۔"

معلوم ہوا حصول دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے اس لیے کہ ایسا شخص اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے باطل تاویلوں کا سہارا لے گا۔ اور ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن وسنت کے احترام میں کمی کا باعث ہے۔

دوسری مثال:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سُءِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ القِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ [14]

"جس شخص سے ایسا سوال کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔"

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول یحرم کتم العلم عند الحاجة الیه لانه اصل التهاون وسبب نسیان الشرائع واجزیة المعاد تبنی علی المناسبات فلما کان الاثم کف لسانه عن النطق جوزی بشبح الکف وهو اللجام من نار [15]

"میں کہتا ہوں ضرورت کے وقت علم چھپانا حرام ہے۔ اس لیے کہ وہ لاپروائی اور سستی کی جڑ ہے اور احکام شرعیہ کو بھولنے کا سبب ہے اور اخروی جزائیں مناسبتوں پر مبنی ہیں۔ پس جب بولنے سے زبان کو روکنا گناہ تھا تو وہ سزا دیا گیا روکنے کی شکل وصورت کے ذریعے اور وہ آگ کی لگام ہے۔"

شاہ صاحب کی اس تشریح سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

(الف) علم چھپانا دین کی اشاعت سے لاپروائی برتنا ہے۔ اس لیے کہ ایسی صورت حال میں لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں گے۔

(ب) باتیں دہرانے سے یاد رہتی ہیں جب علم کو چھپایا جائے گا، خرچ نہیں کیا جائے گا تو وہ رفتہ رفتہ بھول جائے گا۔ احکام شرعیہ کو بھلانا نقصان عظیم کا باعث ہے۔

---

[14] نفس مصدر، جلد ا، صفحہ ۱۷۱؛ ابو داؤد، السنن، جلد ۳، صفحہ ۳۲۱

[15] نفس مصدر، جلد ا، صفحہ ۱۷۱

(ج) اخروی جزاوں کے بارے میں ضابطہ بیان کیا ہے کہ وہ عمل کی جنس سے ہوتی ہیں یعنی عمل اور اس کی جزا میں مناسبت ہوتی ہے۔ چونکہ اس نے علم بیان کرنے کی بجائے زبان کو روکا اور منہ بند کیا ہے۔ جو کہ شریعت کی نظر میں گناہ ہے اس لیے آخرت میں اسی کی شکل وصورت میں بدلہ دیا جائے گا اور وہ یہی ہے کہ اس کے منہ پر آگ کی لگام چڑھائی جائے جس سے اس کا منہ بند ہو گا۔

قرآنی آیات میں مطابقت کی مثال:

قرآن کریم میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَۗ [16]

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکایا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر ستائی نہ جائیں گی۔"

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا سَأَلۡتُمُوهُنَّ مَتَٰعٗا فَسۡـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٖۚ [17]

"جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔"

اور سورۃ النور میں ارشاد ربانی ہے:

قُل لِّلۡمُؤۡمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنۡ أَبۡصَٰرِهِمۡ [18]

"ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں۔"

اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، اگر عورتوں کے لیے پردہ اور حجاب کا حکم ہے تو پھر نگاہیں نیچی رکھنے کا کیا مطلب؟

---

[16] القرآن الکریم۔ ۳۳: ۵۹

[17] القرآن الکریم۔ ۳۳:۵۳

[18] القرآن الکریم۔ ۲۴:۳۰

چنانچہ آیات کے درمیان موافقت پیدا کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اقول:۔۔۔واذاامر الشارع احد بشئ اقتضی ذلک ان یومر الاخر ان یفعل معه حسب ذالک ،فلما امرت النساء بالتستر وجب ان یرغب الرجال فی غض البصر، وایضا فتہذیب نفوس الرجال لا یتحقق الا بغض الابصار ومواخذة انفسہم [19]

"اور جب شارع کسی کو کسی بات کا حکم دیتا ہے تو وہ حکم تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے کو بھی حکم دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ اس حکم کے موافق معاملہ کرے پس جب عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ مردوں کو ترغیب دی جائے نظریں نیچی رکھنے کی اور نیز مردوں کے نفوس کا سنورنا متحقق نہیں ہوتا مگر نظریں جھکانے سے اور اپنے نفوس کو پکڑنے سے اس چیز کے ساتھ۔"

شاہ صاحبؒ نے شریعت اسلامیہ کا ایک بہت اہم اصول بیان کیا ہے۔جب کسی معاملہ کا تعلق دو افراد سے ہو اور شریعت اسلامیہ جب ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیتی ہے تو اس حکم کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فرد کو بھی ویسا حکم دیا جائے تاکہ وہ پہلے فرد کو دیے گئے حکم کے موافق عمل کرے۔جب عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مردوں سے پردہ کریں تو ساتھ ہی مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں۔نیز مردوں کے اپنے نفس کی تہذیب کا بھی اسی پر انحصار ہے کہ وہ عورتوں کو بلاوجہ نہ دیکھیں اور غض بصر کی پابندی کریں۔اور اپنے نفوس سے مواخذہ و باز پرس کریں۔

اور اس قسم کی اور مثالیں بھی شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔جیسا کہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا نکاح خود نہ کریں اولیاء کی وساطت سے تمام امور سرانجام ہونے چاہییں تو ساتھ ہی اولیاء کو بھی حکم دیدیا کہ عورتوں کی پسند وناپسند اور رضامندی معلوم کیے بغیر ان کا نکاح نہ کریں ہے۔اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے حقوق بیان کیے تو ساتھ ہی عورتوں کے حقوق بیان کیے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[19] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶

اَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَاءِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَاءِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَاءِكُمْ فَلَا يُوطِءْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَبُونَ وَلَا يَاْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَبُونَ اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ [20]

"جان لو کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر اور ان کا تم پر حق ہے تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو نہ بٹھائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔"

فقہی مسالک کے درمیان تقریب کی مثال:

فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ بڑی شد و مد سے زیر بحث رہا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کفو میں کر سکتی ہے[21]۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس قسم کا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا جائے وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہو گا[22]۔ اور دیگر جمہور فقہاء کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو گا تاہم اگر کسی عورت نے ایسا کر لیا تو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اگر اس نے اجازت دیدی تو نکاح صحیح ہو گا وگرنہ جائز نہ ہو گا۔[23]

حنفیہ کے موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء کے مؤقف سے معلوم ہوا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو گا۔ احناف اور جمہور کے موقف میں بہت فاصلہ ہے۔ فقہاء کرام کی مذکورہ بالا بحث کے بعد اب شاہ صاحب کی کلام کو مد نظر رکھا جائے تو احناف اور جمہور فقہاء کی رائے میں فاصلہ کم ہوتا نظر آئے گا۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے گزر گئی ہے کہ شاہ صاحب جب کوئی اہم بات یا فائدہ بیان

---

[20] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، السنن، مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۴۵۹

[21] الزیلعی، فخر الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہرہ، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، ۱۳۱۳، جلد ۲، صفحہ ۱۱۷

[22] ابن رشد، محمد بن احمد، ابو الولید، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاہرہ، دار الحدیث، ۱۴۲۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۳۶

[23] ابن قدامہ المقدسی، عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد ۷، صفحہ ۷

کرتے ہیں تو "اِعْلَم" سے بات شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معرکۃ الاراء مسئلہ میں "لا نکاح الا بولی" کے تحت لکھتے ہیں:

اعلم انه لایجوز ان یحکم فی النکاح النساء خاصة لنقصان عقلهن وسوء فکرهن فکثیرا مالا یهتدین المصلحة ولعدم حمایة الحسب منهن غالبا، فربما رغبن فی غیر الکف ء وفی ذلک عار علی قومها ،فوجب ان یجعل للاولیاء شیئ من هذا الباب لتسدالمفسدة [24]

"جان لیجئے نکاح میں صرف فیصلہ کرنے کا اختیار عورتوں کو دیدیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔اس لیے کہ ان کی عقل ناقص اور سوچ ادھوری ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے لیے کونسا قدم اٹھانا بہتر ہے۔اور عام طور پر ان خاندانی خصوصیات کا لحاظ بھی نہیں کرتیں جو خاندانوں میں اہم ہوتی ہیں چنانچہ وہ کبھی غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہیں جو ان کے خاندان کے لیے شرمندگی بنتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ یہ تمام معاملات اولیاء کے ہاتھوں سرانجام ہوں تاکہ ہر قسم کی خرابی اور فساد سے بچا جاسکے۔"

آگے شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"اور عام طور پر فطرت کی طرف سے لوگوں میں رائج طریقہ یہی ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہوں،اور ان کے ہاتھ میں ہی معاملات کو کھولنا اور لپیٹنا ہو،ان کے ذمہ مصارف ہوں،اور عورتوں کے نکاح میں اولیاء کا ہونا مردوں کی شان بڑھاتا ہے اور عورتوں کا خود نکاح کرنا بے شرمی کی بات ہے جس کا سبب حیاء کی کمی ہے اور اس میں اولیاء کی حق تلفی ہوتی ہے جو ان کی بے قدری کا باعث ہے۔اور اہم بات یہ ہے کہ نکاح کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں فرق ہو جائے اور شہرت کا بہترین طریقہ ہے کہ اولیاء کو نکاح میں شامل کیا جائے۔"[25]

آخر میں شاہ صاحب نے ایک اور اہم بات کی طرف اپنے مخصوص انداز "اَقُوْلُ" کے ساتھ مخاطب کیا ہے:

---

[24] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷

[25] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷

اقول لایجوز ایضا ان یحکم الاولیاء فقط لانہم لایعرفون ما تعرف المراۃ من نفسھا ولان حار العقد وقارہ راجعان الیھا والاستئمار طلب ان تکون ھی الآمرۃ صریحا، والاستئذان طلب ان تاذن ولاتمنع وادناہ السکوت [26]

"میں کہتا ہوں یہ بھی جائز نہیں کہ صرف اولیاء کو ہی حاکم بنا کر عورتوں کے نکاح کا پورا اختیار دیدیا جائے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتے اس بات کو جسے عورت اپنی ذات کے بارے میں جانتی ہے۔ اور اس لیے کے عقد کا نقصان اور نفع عورت کی طرف لوٹنے والا ہے۔ اور استمار اس بات کی طلب ہے کہ وہ ہی صراحتاً حکم دینے والی ہو۔ اور استیذان اس بات کی طلب ہے کہ وہ اجازت دے اور وہ انکار نہ کرے اور اجازت کا ادنی درجہ خاموشی ہے۔"

شاہ صاحب کے اس محققانہ کلام سے احناف اور جمہور دونوں کی رائے قابل عمل ہو گئیں کہ نہ تو بالکلیہ صرف عورت کے ہاتھ میں شادی و بیاہ کا اختیار ہو اور نہ ہی اولیاء کو مکمل طور پر اختیار ہو بلکہ آپس کی مشاورت سے، عورت کی اجازت و رضامندی سے شادی و بیاہ کا یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے تاکہ بعد میں کسی قسم کی تلخیاں اور لڑائی جھگڑے سکون زندگی برباد نہ کر سکیں۔

مذکورہ مثالوں سے واضح ہوا کہ "اقول" سے شاہ صاحب عمدہ فوائد و نکات بیان کرتے ہیں۔

۳۔ بسا اوقات "وَالْاَصْل" کہہ کر اپنے دعوی کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اسے ۵۰ سے زائد مقامات پر لائے ہیں۔ جو بنیادی دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کہیں تو "والاصل" کہہ کر آیت کریمہ لاتے ہیں اور کبھی حدیث رسول ﷺ نقل کرتے ہیں اور کہیں عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

آیت کی مثال:

شاہ صاحب نے باب قائم کیا:

باب اسباب نزول الشرائع الخاصۃ بعصر دون عصر وقوم دون قوم [27]

"وہ اسباب جن کی وجہ سے مخصوص زمانوں میں مختلف قوموں کے لیے خاص شریعتیں نازل ہوئیں۔"

---

[26] نفس مصدر، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷

[27] نفس مصدر، جلد ۱، صفحہ ۸۸

اس کے بعد شریعتوں کے مختلف ہونے کے وجوہ اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاصل فیہ قولہ تعالی(كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلا لِبَنِي إِسْرَاءِيلَ إِلا مَا حَرَّمَ إِسْرَاءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزِّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ) [28]

اور بنیاداس میں اللہ تعالی کا قول، بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز جو اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کی تھی کہہ دو تورات لاو اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے باب سے متعلقہ بحث کی ہے اور اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

والاصل فیہ قولہ تعالی(مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا) [29]

"اور بنیادی دلیل اس میں اللہ تعالی کا قول ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔"

حدیث کی مثال:

لوگوں کی جبلت اور فطرت کے بارے میں کلام کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک باب قائم کیا:

باب اختلاف الناس فی جبلتهم المستوجب لاختلاف اخلاقهم واعمالهم ومراتب كمالهم [30]

"جبلت میں لوگوں کے مختلف ہونے کا بیان جو ان کے اخلاق واعمال اور کمال کے مرتبوں کے مختلف ہونے کا سبب ہے۔"

مذکورہ باب کے قائم کرنے سے شاہ صاحبؒ کا مقصد لوگوں کے اخلاق واعمال اور کمال میں مختلف ہونے کی وجہ بیان کرنا ہے۔ کہ اس کا سبب لوگوں کی جبلت اور فطرت کا مختلف ہونا ہے جس کی وجہ سے ان کے کمالات واخلاقیات اور عملیات میں یکسانیت نہیں ہے۔

اس بات کو مزید مدلل کرنے کے لیے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

---

[28] القرآن الکریم۔ ۳:۹۳، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، صفحہ ۸۸

[29] القرآن الکریم۔ ۲:۱۰۶، نفس مصدر، جلد ۱، صفحہ ۸۸

[30] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، صفحہ ۲۶

والاصل فیه ماروی عن النبی ﷺ انه قال اذا سمعتم بجبل زال عن مکانه فصدقوه ،و اذا سمعتم برجل تغیر عن خلقه فلا تصدقوا به فانه یصیر الی ما جبل علیه [31]

"اور بنیادی دلیل اس میں وہ روایت ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کو مان لو اور جب تم کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کی فطرت بدل گئی ہے تو اس کو مت مانو پس بے شک وہ لوٹنے والا ہے اس فطرت کی طرف جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

اسی طرح متعدد مقامات پر شاہ صاحب احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر احادیث کے نقل کرنے کے بعد ان کی صحت و سقم پر بالکل کلام نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات احادیث ضعیفہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحب نے ایک حدیث نقل کی:

لَا نِکَاح إِلَّا بولِی [32] "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

جبکہ محققین نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے۔ امام علاء الدین کاسانی (م- ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

لا نکاح إلا بولی مع ما حکی عن بعض النقلة ان ثلاثة احادیث لم تصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وعد من جملتها بذا ولهذا لم یخرج فی الصحیحین [33]

"لا نکاح إلا بولی کے بارے میں بعض اہل علم نے نقل کیا ہے کہ تین احادیث نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت نہیں کی گئیں اور ان میں ایک یہی حدیث ہے اسی لیے صحیحین میں اس کی تخریج نہیں ہے۔"

شیخ جمال الدین رومی البابرتی (م-۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

روی عن یحیی بن معین رحمه الله انه قال: الاحادیث الثلاثة لیست بثابتة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم احدبا قوله علیه الصلاة والسلام: لا نکاح إلا بولی وشاہدی عدل [34]

---

[31] نفس مصدر، جلد ۱، صفحہ ۲۶؛ احمد بن حنبل، الامام، المسند، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، جلد ۴۵، صفحہ ۴۹۱

[32] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷؛ ابو داود، جلد ۲، صفحہ ۲۲۹

[33] الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۹

"یحییٰ بن معین سے روایت کی گیا کہ تین احادیث حضوراکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک لا نکاح اِلا بولی وشاہدی عدل ہے۔"

امام بدرالدین عینی (م- ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وقال يحيى بن معين واسحاق بن راہويه تنسب إليه ثلاثة احاديث لم تثبت عن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احدہا لا نكاح إلا بولى[35]

"یحییٰ بن معین اور اسحاق بن راھویہ نے کہا تین احادیث کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی جاتی ہے مگر وہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک ہے۔ لا نکاح اِلا بولی"

علامہ ابن نجیم (م-۹۷۰ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے[36]۔ اور یہی رائے علامہ شامی (م ۱۲۵۲ھ) کی ہے۔[37]

اسی طرح شرک کی صورتیں بیان کرتے ہوئے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

فی الحدیث اَن حَوَّاء سمت وَلَدہَا عبد الْحَرْث وَكَانَ ذَلِک من وَحی الشَّيْطَان وقد ثبت فی احادیث لاتحصی ان النبی ﷺ غیر اسماء اصحابه عبدالعزیز وعبدشمس ونحو هما الی عبدالله وعبدالرحمن وما اشبههما فهذه اشباح وقوالب للشرک نهی الشارع عنها لكونها قوالب له والله اعلم[38]

"اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا اور یہ نام رکھنا شیطان کے اشارے سے تھا اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ناموں کو بدل دیا اور عبد العزی، اور

---

[34] البابرتی، جمال الدین، محمد بن محمد، العنایہ شرح الہدایۃ، دارالفکر، س ن، جلد ۱۰، صفحہ ۹۳

[35] العینی، بدرالدین، محمود بن احمد، البنایہ شرح الہدایہ، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ، جلد ۵، صفحہ ۷۶

[36] ابن نجیم، زین الدین ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دارالکتاب الاسلامی، س ن، جلد ۳، صفحہ ۱۱۷

[37] شامی، ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۲ھ، جلد ۳، صفحہ ۵۶

[38] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، صفحہ ۶۳؛ الترمذی، السنن، جلد ۵، صفحہ ۲۶۷

عبدالشمس اور ان کے مانند ناموں کی جگہ عبداللہ، عبدالرحمن اور ان سے ملتے جلتے نام رکھے۔ غرض یہ شرک کی صورتیں اور سانچے ہیں شریعت نے ان سے اس لیے منع کیا کہ شرک ان سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوتا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔"

شاہ صاحب نے حضرت حواء کے واقعہ والی جو حدیث نقل کی ہے اس کو محققین نے ضعیف اور اسرائیلات میں شمار کیا ہے۔

امام ابن کثیر (م- ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

والغرض ان ہذا الحدیث معلول من ثلاثة اوجه احدہا ان عمر بن إبراہیم ہذا ہو البصری وقد وثقه ابن معین، ولکن قال ابو حاتم الرازی لا یحتج به،--- الثانی انه قد روی من قول سمرة نفسه لیس مرفوعا، کما قال ابن جریر:حدثنا ابن عبد الاعلی، حدثنا المعتمر عن ابیه، حدثنا بکر بن عبد الله بن سلیمان التیمی عن ابی العلاء بن الشخیر عن سمرة بن جندب قال: سمی آدم ابنه عبد الحارث. الثالث ان الحسن نفسه فسر الآیة بغیر ہذا، فلو کان ہذا عنده عن سمرة مرفوعا لما عدل عنه قال ابن جریر حدثنا ابن وکیع حدثنا سہل بن یوسف عن عمرو عن الحسن جعلا له شرکاء فیما آتاہما قال کان ہذا فی بعض اہل الملل ولم یکن بآدم[39]

"اور خلاصہ یہ کہ یہ حدیث کئی وجہوں سے معلول (کمزور) ہے۔ پہلی وجہ اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کو اگرچہ ابن معین نے ثقہ کہا ہے مگر ابو حاتم رازی نے کہا اس کی روایت قابل حجت نہیں، دوسری وجہ یہی روایت حضرت سمرۃ سے موقوفا روایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ابن جریر نے کہا کہ سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ اور تیسری وجہ اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری نے اس کے علاوہ تفسیر کی ہے۔ اگر یہ حضرت سمرہ نے مرفوعا بیان کی ہوتی تو یہ اس سے اعراض نہ کرتے۔ ابن جریر نے کہا کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم کا واقعہ نہیں بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔"

امام ابن کثیرؒ کے کلام کا حاصل نکات کی صورت میں درج ذیل ہے۔

---

[39] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ، جلد ۳، صفحہ ۴۷۵

۱۔اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کی روایت کو امام ابو حاتم رازیؒ نے نا قابل حجت قرار دیا ہے۔

۲۔حضرت سمرہ بن جندبؓ سے یہ روایت موقوفا نقل کی گئی ہے۔

۳۔اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ حضرت آدمؑ کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔

ان وجوہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ترجمے:

حجۃ اللہ البالغہ کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک ترجمہ فارسی میں کیا گیا ہے، لیکن اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں ہے اور انہوں نے چار انگریزی ترجموں کا ذکر کیا ہے، اس میں دو ترجمے مکمل ہیں اور دو ناقص ہیں، ایک انگریزی ترجمہ مولانا عبید اللہ سندھی نے کرایا تھا اور دوسرا مکمل ترجمہ محمود حسین خاں رام پوری نے کیا تھا اور اس پر حبیب اللہ غضنفر امروہوی مقیم حال کراچی نے نظر ثانی کی تھی۔[40]

اردو میں بھی مختلف حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے، سب سے پہلے اس کا اردو ترجمہ مولانا فضل الرحمن عظیم آبادی کی فرمائش پر مولانا عبد الحق حقانی نے کیا ہے، 1894ء میں اس کی اشاعت ہوئی، اس کا نام "نعمۃ اللہ البالغۃ" ہے، یہ اشاعت دو جلدوں پر مشتمل ہے، مگر اس میں متن شامل نہیں ہے، ایک اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد اسرائیلی نے کیا ہے، آیات اللہ الکاملہ کے نام سے یہ ترجمہ پہلی مرتبہ کتب خانہ اسلامی پنجاب کے زیر اہتمام لاہور سے 1315ھ - 1897ء میں چھپا تھا، تیسرا ترجمہ مولانا عبد الحق ہزاروی نے شموس اللہ البالغہ کے عنوان سے کیا ہے، اس میں اوپر متن ہے اور نیچے ترجمہ ہے، یہ ترجمہ بھی کئی بار چھپا ہے، اس کے علاوہ متعدد حضرات نے اس کے ترجمے کیے ہیں، ایک ترجمہ احقر کے سامنے ہے، لیکن اس پر مترجم کا نام درج نہیں ہے، یہ ترجمہ مکتبہ تھانوی دیوبند سے 1986ء میں

---

[40] نور الحسن راشد کاندھلوی، حجۃ اللہ البالغہ ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۳۳، مطبوعہ شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، علی گڑھ، سن طباعت ۲۰۰۲ء

شائع ہوا ہے، اس کے مترجم نے لکھا ہے کہ مصر اور استنبول کے قدیم اور جدید نسخوں اور ہندوپاک میں مروج متعدد نسخوں کا تقابل کرکے صحیح ترین متن پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس ترجمہ میں متن بھی شامل ہے اور شروع میں شاہ صاحب اور حجۃ اللہ البالغہ کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے، اس کے آخر میں محمد منظور الوجیدی کا نام درج ہے، بظاہر یہ ترجمہ انہی صاحب کا ہے۔

حواشی وشروح:

حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی اشاعت ہندوستان میں مطبع صدیقی بریلی سے ہوئی ہے اور مولانا احسن نانوتوی نے مختلف دستیاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کے بعد پر مغز حاشیہ سے کتاب کو مزین کرکے شائع کیا ہے، حجۃ اللہ کا یہ سب سے پہلا نسخہ ہے اور بعد کے نسخوں کے لیے اہم ماخذ کی حیثیت اسے حاصل ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے حجۃ اللہ البالغہ کو نئی کتابت اور قیمتی تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے اور اس وقت موجود نسخوں میں سب سے عمدہ نسخہ ہے، اس کے علاوہ مصر اور بیروت سے بھی حجۃ اللہ البالغہ کے متعدد نسخے شائع ہوئے ہیں، بعض نسخوں میں تفصیلی مقدمہ اور احادیث کی جزوی تخریج بھی موجود ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی سب سے قدیم، مفید اور قابل قدر شرح مولانا عبید اللہ سندھی کی ہے، انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ کی تدریس کے دوران جو افادات اردو میں بیان کیے تھے ان کے شاگردوں نے اسے منضبط کرلیا تھا اور ان کے دو شاگردوں نے اسی افادات سندھی کو عربی میں منتقل کرکے اسے شائع کردیا ہے۔

اردو میں حجۃ اللہ البالغہ کی ایک مفصل شرح حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی "رحمة الله الواسعه" کے نام سے ہے، یہ پانچ جلدوں میں انتہائی ضخیم ہے، اس وقت حجۃ اللہ البالغہ کی سب سے مفید شرح ہے، جس میں ایک عنوان قائم کرکے پہلے مسئلہ کی تقریر کی ہے، اس کے بعد عبارت با اعراب لکھ کر اس کا ترجمہ لکھا گیا ہے، تصحیح متن کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، حل لغات، ضروری نحوی ترکیب اور ضمائر کے مرجع کی تعیین پر بھی خصوصی توجہ دی ہے، یہ حجۃ اللہ البالغہ کی انتہائی جامع شرح ہے اور حجۃ اللہ کے مضامین کو سمجھنے کے لیے انتہائی مفید ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی تلخیص:

حجۃ اللہ البالغہ کا اردو میں ایک خلاصہ بھی چھپا ہے، یہ تلخیص سید رضی الدین احمد نے مرتب فرمائی ہے، سید صاحب پاکستان کے ایک شیخ طریقت ہیں، یہ تلخیص چھوٹے سائز کے ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، آغاز کتاب میں شاہ صاحب کے مختصر حالات بھی ہیں اور پاکستان کے محقق عالم مولانا حبیب اللہ مختار کی تقریظ بھی ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حجۃ اللہ البالغہ کی جامع تلخیص ہے، البتہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعض مضامین کو اردو میں اختصار کے ساتھ سمجھنے کے لیے مفید ہے، یہ تلخیص 1416ھ (۱۹۹۶ء) میں کراچی سے چھپی تھی، بعد میں اس اشاعت کا عکس دارالاشاعت دہلی سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ اہل علم کی نظر میں:

حجۃ اللہ البالغہ تصنیف کی دنیا میں اپنی انفرادی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کو پڑھنے سے اسلام کا نظام حیات عقلی طور پر انتہائی متوازن معلوم ہوتا ہے اور ہر حکم کی وجہ اور علت جان کر اسلام کے حکیمانہ فلسفے کی جامعیت کا تصور کھل کر سامنے آتا ہے، ماضی قریب اور بعید میں اس جیسی کتاب وجود میں نہیں آئی ہے، اسی لیے بڑے بڑے اہل علم نے اس کتاب پر اپنی قیمتی رائے ظاہر کی ہے اور کتاب کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

"میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا، جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہنچایا، میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء نظام حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا، دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے صرف تقلیداً مانتا تھا، اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمد للہ میں ان پر تحقیقاً اور علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔"[41]

غیر مقلد عالم جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب اتحاف النبلاء میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[41] رحمۃ اللہ الواسعہ، ج ۱، ص ۲۸

"یہ کتاب اگرچہ فن حدیث میں نہیں ہے، مگر اس میں بہت سی احادیث کی شرح ہے اور ان کی حکمتیں اور ان کے راز بیان کیے ہیں، یہاں تک کہ یہ کتاب اپنے فن میں بے نظیر واقع ہوئی ہے اور اس جیسی کتاب ان اسلامی بارہ صدیوں میں عرب و عجم کے کسی عالم کی موجود نہیں ہے۔"[42]

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"یہ کتاب اپنے موضع پر بالکل منفرد یگانہ ہے اور عربی زبان اپنی وسعت کے باوجود اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ کتاب عربیت، بیان کی قوت اور زبان کی سلامتی کا ایک ممتاز اور کامیاب نمونہ ہے۔"[43]

ایک دوسری جگہ مفکر اسلام ابوالحسن علی میاں ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"شاہ صاحب کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور جن سے اپنے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی۔"[44]

اعتراف: حجۃ اللہ البالغہ کا یہ مختصر تعارف ترتیب دیا گیا ہے، جس میں یہ احساس باقی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کا جامع تعارف نہیں ہے؛ بلکہ ایک بحر بیکراں کے تعارف میں چند منتشر باتیں چند کتابوں کے حوالے سے پیش کر دی گئی ہیں، اس لیے کہ یہ ایک اسائنمنٹ ہے یہاں مکمل تعارف اور تحقیقی کام کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فکر و فلسفہ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ بارہویں صدی کے ان عظیم علماء امت میں سے تھے جنہوں نے دین کے مختلف شعبوں میں اجتہاد و تجدید کا کام سنبھالا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے وہ اس کٹھن گھاٹی سے اس طرح کامیابی سے گزرے کہ ان کے علوم و فیوض اور سعی و کاوش سے اب تک مسلسل استفادہ کیا جارہا ہے بلکہ دینی علوم کے فروغ اور ترویج میں

---

[42] نفس مصدر : ۲۹

[43] ہندوستانی مسلمان، بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۵۰ شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، علی گڑھ، سن طباعت ۲۰۰۲ء

[44] حنیف گنگوہی، ظفر المحصلین، ص ۱۸۰

ان کے ذوق و اسلوب کی ضرورت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید اجاگر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ایک بڑے محدث، مفسر، مجاہد، متکلم اور صوفی تھے۔ انہوں نے ان تمام دائروں میں تجدید واجتہاد کے نقوش قائم کیے ہیں جن سے رہتی دنیا تک ارباب علم و دانش راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ آج کے دور میں شاہ ولی اللہ کے علوم وفیوض، فلسفہ و فکر اور ذوق اسلوب کی ضرورت واہمیت کا ہر سطح پر احساس واظہار کیا جارہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علم و فضل اور سعی و کاوش کے بہت سے دائرے ہیں جو اس وقت ہمارے موضوع میں شامل نہیں ہیں لیکن علمی دنیا میں ان کی سعی مشکور کو سب سے زیادہ اہمیت اس حوالہ سے دی جاتی ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد، احکام، قوانین اور روایات کی حکیمانہ تشریح کی۔ اور انسانی معاشرہ اور سماج کو موضوع بنا کر سماج کے نفع و نقصان اور سوسائٹی کے خیر و شر کی بنیادوں اور تقاضوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا۔ کہا جاتا ہے کہ سماجیات (سوشیالوجی) کو باقاعدہ موضوع بنا کر ابن خلدون نے اپنے دور میں بات کی تھی، ان کے بعد اس سلسلے میں امام غزالیؒ، شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلامؒ، امام خطابیؒ اور دیگر حضرات کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر اسے باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مدون کیا اور ان کی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" اسی حوالے سے ایک شاہکار کتاب تصور کی جاتی ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں "علم اسرار دین" (دینی عقائد و احکام کی حکمتوں اور فلاسفی کا علم) کو اپنی ان کاوشوں کا نام دیا ہے اور کتاب کے مقدمہ میں اس کے تعارف کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت وضرورت اور افادیت کی وضاحت فرمائی ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور و معروف تالیف ہے جس میں آپ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ احکام شرع کی حکمتوں اور مصلحتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب انسانوں کے شخصی اور اجتماعی مسائل، اخلاقیات، سماجیات اور اقتصادیات کی روشنی میں فلاح انسانیت کی عظیم دستاویز کا خلاصہ ہے۔ اس کتاب میں تطبیقی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ایسی احادیث کی تشریح ہوئی ہے جو سراسر روحانیت سے متعلق ہے جیسے کہ حدیث شریف ہے کہ دجال کبھی بھی مکہ المکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے دجال کو طواف کرتے دیکھا۔

یہ دو مختلف بیانات ہیں تو شاہ صاحب نے اس کی تشریح کی ہے وہ اس طرح کہ ہر بندہ بلکہ ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کا مظہر ہوتی ہے تو دجال بھی اسم مضل (یعنی ضلات دینے) کا مظہر ہے یا پھر اسم مضل (راہ سے ہٹانے والا) کا مظہر ہے۔

امام غزالی کی "احیاء العلوم" کی طرح یہ کتاب بھی دنیا کی ان چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ اس کتاب میں شاہ ولی اللہ نے اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی ہے اور دلیلیں دے کر اسلامی احکام اور عقائد کی صداقت ثابت کی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے لیکن اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کی تحریک:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو سلطنتِ مغلیہ کا چراغ ٹمٹمارہا تھا۔ طوائف الملوکی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھی اور فرنگی تاجر کمپنیاں دھیرے دھیرے مغل حکمرانوں کی جگہ لینے کے لیے آگے بڑھ رہی تھیں۔ مرہٹے ایک طاقتور سیاسی قوت کی حیثیت اختیار کرتے جارہے تھے اور برصغیر ان کے قبضے میں چلے جانے کا خطرہ دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔ حضرت امام ولی اللہؒ نے فوری حکمت عملی کے طور پر مرہٹوں کی سرکوبی اور ان کے خطرہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالیؒ سے رابطہ قائم کیا اور اس سے مدد مانگی اور احمد شاہ ابدالیؒ، حضرت شاہ صاحبؒ اور دیگر دردمند ہندی مسلمانوں کی استدعا پر مرہٹوں کے خلاف ان کی امداد کے لیے آگے بڑھا اور پھر ۱۷۶۱ء میں پانی پت کا وہ تاریخی معرکہ بپا ہوا جس نے عظیم تر مرہٹہ ریاست کے تصور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاک میں ملادیا۔ مرہٹوں کا زور ٹوٹ گیا۔ دو لاکھ سے زائد مرہٹہ فوجی میدان جنگ میں کام آئے اور احمد شاہ ابدالیؒ جو خود ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرسکتا تھا، حکومت شاہ عالم ثانی کے سپرد کرکے واپس چلا گیا۔

اس خطرہ سے نجات حاصل کرنے کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا روز افزوں زوال اور فرنگی کمپنیوں کا بڑھتا ہوا اثر و رسوخ حضرت شاہ صاحب کے سامنے تھا۔ فرنگی جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کو شہید کرکے ۱۷۵۷ء میں بنگال پر قبضہ کرچکے تھے۔ حیدرآباد دکن، اودھ اور میسور پر فرنگی کی للچائی ہوئی نظریں صاف

دکھائی دے رہی تھیں اور مغل بادشاہ، شاہ عالم ثانیؒ، احمد شاہ ابدالیؒ کی عظیم قربانی اور فراخدلانہ ایثار کے باوجود ہوش میں نہیں آیا تھا، ایسے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سلطنتِ مغلیہ کے بوسیدہ کھنڈرات کو سہارا دینے کے بجائے "فک کل نظام" (ہمہ گیر انقلاب) کا نعرہ لگایا۔

شاہ صاحب یہ سمجھ چکے تھے کہ مغلیہ سلطنت کو جب احمد شاہ ابدالیؒ کی قربانی و ایثار سہارا نہیں دے سکی تو اس کے دن گنے جا چکے ہیں، اس کو سہارا دینے یا اس کی اصلاح کی توقع رکھنے کے بجائے اس ترقی پذیر قوت کے مقابلے کی تیاری کرنی چاہیے جو سلطنتِ مغلیہ کی جگہ لینے والی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے ایسا ہی کیا۔ فرنگی کے تسلط کو ایک یقینی امر سمجھتے ہوئے اس دور رس نگاہ رکھنے والے مردِ درویش نے فرنگی کے مقابلے میں ایک فکری و علمی مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی۔

ولی اللّٰہی افکار:

حضرت شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کا اس وقت کی مروجہ زبان فارسی میں ترجمہ کیا اور ان کے فرزند حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آنے والے دور کے مسائل کو محسوس کرتے ہوئے انقلاب فرانس سے پچاس سال قبل اور کارل مارکس کی پیدائش سے ۱۰۰ سال قبل انسان کے جمہوری، معاشرتی و اقتصادی حقوق کی قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیمات کا مختصر سا خلاصہ پیش کر دیا جائے جو ان کی معرکۃ الانصار تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کے ساتھ ساتھ دیگر تصانیف سے ماخوذ ہے۔

سیاسی اصول اور شہریوں کے بنیادی حقوق:

☆ زمین کا مالک حقیقی خدا ہے، باشندگانِ ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانے میں ٹھہرنے والے لوگوں کی ہوتی ہے ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حقِ انتفاع (فائدہ اٹھانے کا حق) میں کسی دوسرے کی دخل اندازی قانوناً ممنوع ہے۔

☆ سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالکِ ملک، ملک الناس مالکِ قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک سمجھے، نہ کسی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی صاحبِ اقتدار کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے۔

☆ ریاست کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کی ہوتی ہے۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندہ ملک کی طرح زندگی گزار سکے۔

☆ روٹی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت، کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے بلالحاظ مذہب و نسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔

☆ مذہب، نسل یا رنگ کے کسی تفاوت کے بغیر عام باشندگان کے لیے ملک کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل و انصاف، ان کے جان و مال کی حفاظت، حق ملکیت میں آزادی، حقوقِ شہریت میں یکسانیت ہر باشندۂ ملک کا بنیادی حق ہے۔

☆ زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر ایک فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

اقتصادی اصول:

☆ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور اور کاشت کار قوت کا سبب (کمانے والی قوت) ہیں۔ باہمی مدنیت (شہریت) کی روحِ رواں باہمی تعاون ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

☆ جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں رہ سکتا اور بجائے اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو، دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔

☆ مزدور کاشت کار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں، دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی ترقی و خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوش حالی ہے، جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

☆ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے اور مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے، قوم کا دشمن ہے، اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

☆ ضرورت مند (مجبور) مزدور کی رضامندی قابل اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اصول سے لازم ہوتی ہے۔

☆ جو پیداوار یا آمدنی تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔

کام کے اوقات محدود کیے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی و روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

☆ تعاونِ باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے، لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیے۔ پس جس طرح تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کی کمپیٹیشن سے تعاون کی روح کو نقصان پہنچائیں ایسے ہی حکومت کے لیے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے۔

☆ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی شخص یا طبقہ میں منحصر کر دے، ملک کے لیے تباہ کن ہے۔

☆ وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو، ☆ اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ زندگی کا موقع دیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے آئندہ جدوجہد کے لیے فکری بنیادیں مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت بندی بھی شروع کر دی۔ دہلی میں ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ متعدد شاگردوں اور خصوصاً اپنے خاندان کے افراد کو خصوصیت کے ساتھ تربیت دی۔ مولانا عاشق مظفر نگریؒ، مولانا نور اللہ میرٹھیؒ، مولانا محمد امین کشمیریؒ، مولانا مخدوم لکھنویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور مولانا شاہ ابو سعید بریلویؒ پر مشتمل خصوصی گروپ قائم کیا۔ دہلی کے علاوہ (۱) تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی (۲) نجیب آباد (۳) لکھنؤ اور (۴) مدرسہ ملا معین الدین ٹھٹھہ سندھ بھی اسی تحریک کے مراکز تھے۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ:

تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کا معروف روحانی مرکز تھا حضرت جہاں حضرت شاہ ابو سعیدؒ جیسے صاحب علم و فضل، ارادتمندوں کی علمی و روحانی پیاس بجھاتے تھے، بالاکوٹ کے امیر جہاد حضرت سید احمد شہیدؒ آپ ہی کے نواسے تھے

اور میسور کا مجاہدِ اعظم سلطان ٹیپو شہیدؒ بھی اسی خانوادے سے متعلق اور حضرت شاہ ابو سعیدؒ کے پوتے شاہ ابو اللیث کا مرید تھا جو آخری دم تک فرنگی کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا۔

دارالحرب کا فتویٰ:

تحریک کے لیے فکری بنیادیں فراہم کر کے اور اس فکر کی بنیاد پر عملی جدوجہد کے لیے مختلف مراکز پر تربیتی مراکز قائم فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کی جانشینی کا اعزاز آپ کے فرزند حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے حصہ میں آیا۔ شاہ عبد العزیزؒ نے ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اپنے عظیم باپ کے ورثہ کو سینے سے لگایا اور تحریک کو آگے بڑھانے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئے۔ شاہ صاحبؒ کے دور کا سب سے بڑا اور تاریخ ساز کارنامہ وہ فتویٰ ہے جو آپ نے دہلی میں انگریزوں کی فرمانروائی عمل میں آنے کے بعد جاری کیا اور جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر فرنگی کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا۔ یہی فتوی بعد میں آزادی کی تمام مسلم تحریکوں کے لیے بنیاد بنا۔ یہ فتویٰ فتاوی عزیزیہ میں موجود ہے اور اس میں حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اعلان کیا:

چونکہ شہری آزادیاں سلب ہو چکی ہیں۔ قانون سازی کے اختیارات عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں اور مذہب کا احترام ختم کر دیا گیا ہے اس لیے ہندوستان دارالحرب ہے اور جہاد فرض۔

اس فتویٰ کی پاداش میں حضرت شاہ صاحب کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مبینہ طور پر آپ کے جسم پر چھپکلی کا ابٹن مل کر برص پیدا کیا گیا، آپ کو دو مرتبہ دہلی بدر کیا گیا اور ایک بار آپ کو اہل خاندان سمیت شاہدرہ (دہلی) تک پیدل آنا پڑا۔ ایک روایت ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے آپ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، لیکن عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تحریک ولی اللّٰہی کی قیادت آپ نے جاری رکھی اور ظلم و جبر کا کوئی وار آپ کے قدموں کو ڈگمگا نہ سکا۔ حضرت شاہ صاحب نے تعلیم و تربیت، تبلیغ و وعظ اور روحانی سلسلہ کے علاوہ باقاعدہ جنگی تربیت بھی شروع کرا دی تھی۔ آپ ہی کی ہدایت پر شاہ ابو سعید بریلویؒ کے نواسے سید احمد شہیدؒ کو امیر علی خاں والیٔ ٹونک کی فوج میں بھرتی کرایا گیا، جہاں حضرت شہید نے نہ صرف مکمل فوجی تربیت حاصل کی بلکہ فرنگی کے خلاف مختلف معرکوں میں حصہ بھی لیا۔

جہاد بالاکوٹ:

شاہ عبد العزیزؒ اپنے حصہ کا کام کر کے رخصت ہوئے تو تحریک ولی اللّٰہی کی باگ دوڑ حضرت شاہ محمد اسحاق کے حصہ میں آئی اور سید احمد شہید کے ساتھ شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبد الحئ کو ملا کر جہاد کی تیاری کے لیے ایک الگ گروپ قائم کر دیا گیا۔ ان تین بزرگوں نے بہت جلد ملک کے متعدد حصوں کا دورہ کر کے ہزاروں افراد کو اس مقصد کے لیے تیار کر لیا۔ ایک بار سینکڑوں افراد کی معیت میں حج بیت اللہ کے لیے بھی گئے۔ یہ سب جہاد کی تیاری کے مختلف مراحل تھے۔ جہاد کے لیے سب سے زیادہ ضروری امر یہ تھا کہ کسی ایسے علاقے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا جائے جہاں بیٹھ کر دلجمعی کے ساتھ تحریک آزادی کو کنٹرول اور فرنگی کی فوجوں کا مقابلہ کیا جا سکے، چنانچہ نگہِ انتخاب صوبہ سرحد کے علاقے پر پڑی اور اس خطہ کو اس مقصد کے لیے موزوں خیال کرتے ہوئے مجاہدین کا قافلہ تبلیغ کرتے ہوئے مذہبی وعظ کے بہانے راجستھان، سندھ، خیر پور، ڈیرہ غازی خان اور بلوچستان وغیرہ کے علاقوں سے ہوتا ہوا آزاد علاقہ پہنچا اور مختلف جھڑپوں کے بعد سکھوں سے پشاور چھین کر وہاں امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کی سربراہی میں آزاد حکومت قائم کر دی۔ قرآن و سنت کا نظام نافذ ہوا۔ بیت المال قائم کیا گیا۔ شرعی حدود و تعزیرات کا نفاذ ہوا اور فرنگی سامراج کے خلاف جہاد کے لیے ایک آزاد ریاست معرض وجود میں آئی، مگر خود غرضوں کی ابوالہوسیٰ کا اندازہ کیجیے کہ بقول ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر فرنگی نے ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے ان مجاہدین کے خلاف ''وہابیت'' کا نفرت خیز پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بعض خوانین نے غداری کی اور انگریزیت کے بعد برصغیر میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت بے دردی کے ساتھ ختم کر دی گئی اور مجاہدین کا پورا قافلہ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں پوری پامردی کے ساتھ شیر سنگھ کی فوجوں اور فرنگی کی ڈپلومیسی کا مقابلہ کرتے ہوئے ۷ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کی وادی میں جام شہادت نوش کر گیا۔

شہادت گاہ بالاکوٹ کے بعد شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوبؒ خانوادہ ولی اللّٰہی کے متعلقین سے از سر نو رابطہ قائم کرنے اور تحریک ولی اللّٰہی کو نئے سرے سے منظم کرنے کے لیے حجاز مقدس چلے گئے، وہاں ان کے خلاف مختلف شکایتیں کر کے فرنگی کے ایجنٹوں نے انہیں وہاں سے نکلوانے کی سازشیں کیں، مگر خلافتِ عثمانیہ کا دور تھا، سازشیں کامیاب نہ ہوئیں۔ بالآخر دہلی میں اس خاندان کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔

علماء صادق پور:

صادق پور کے مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور ان کے رفقاء نے شہدائے بالاکوٹ کی طرز پر جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ یاغستان میں ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ صادق پور اور دوسرے مراکز سے وہاں کمک جاتی رہی اور عرصۂ دراز تک ان غیور و جسور مجاہدین نے سرحد پر فرنگی کو پریشان کیے رکھا۔

اس گروپ پر انبالہ، پٹنہ، مالدہ اور بھاگل پور میں سازش کے متعدد مقدمات قائم ہوئے۔ متعدد رہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور تہذیب و تمدن کے دعویدار فرنگی نے انتہائی بے دردی کے ساتھ اس عظیم محب وطن خاندان کو ظلم و جبر کا نشانہ بنایا۔ پٹنہ کے مقدمہ میں جب مولانا احمد اللہ صادق پوری کو حبس و دوام بعبورِ دریائے شور اور ضبطی جائیداد کی سزا دی گئی تو عین عید کے دن فرنگی درندوں نے ان کے خاندان کے مکانات کو مسمار کر دیا، سامان ضبط کر لیا، ان کے صاحبزادہ حکیم عبد الحمید کا دواخانہ ضبط کیا اور ان درندہ صفت حکمرانوں نے اس خاندان کے قبرستان تک کو اکھاڑ دیا اور لاشوں کو پھینک دیا۔

ٹیٹو میر شہیدؒ:

تیسری طرف بنگال کے علاقہ فرید پور میں جہاں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے دوماہ کے قیام کلکتہ کے دوران متعدد لوگ ان کی خدمت میں آکر جذبہ جہاد سے سرشار ہوئے تھے۔ نثار علی عرف ٹیٹو میرؒ نے مجاہدین کا گروپ تیار کر کے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ ضلع فرید پور پر اپنی حکومت قائم کی اور کچھ عرصہ تک فرنگی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بالآخر ٹیٹو میرؒ فرنگی کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کے دست راست مسکین شاہ کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔

جنرل بخت خاںؒ:

چوتھی طرف سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ اور ولی اللّٰہی فکری خاندان کے نامور چشم و چراغ مولانا سرفراز علیؒ نئی تکنیک کے مطابق فرنگی کے قدم اکھاڑنے کی مساعی میں مصروف تھے۔ ان کی تحریک پر دہلی کے علماء نے فرنگی کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس وقت بہادر شاہ ظفر ہندوستان کا بے اختیار بادشاہ تھا۔ اصل اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں تھے، فوجوں میں بے چینی کے آثار پہلے سے موجود تھے، اسباب فراہم ہو رہے تھے۔ میرٹھ چھاؤنی میں بغاوت ہوئی، بجنور میں بغاوت ہوئی، علماء دہلی کے فتویٰ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مولانا سرفراز علی کی امارت میں علمِ جہاد بلند کر دیا۔ مولانا سرفراز علیؒ کے مرید خاص جنرل بخت خاں روہیلاؒ نے کمان سنبھالی اور اس طرح ۱۸۵۷ء کا وہ عظیم

الشان معرکہ حریت برپا ہوا جسے آج بھی فرنگی اور اس کی معنوی اولاد غدر کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کا تصور آج بھی کسی انگریز کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تھانہ بھون ضلع سہارنپور کی عظیم خانقاہ میں بھی جہاد کے لیے صلاح مشورہ شروع ہوا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے دہلی بھیجا گیا۔ رپورٹ ملی تو خانقاہ تھانہ بھون نے فرنگی کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو امیر منتخب کر کے باقاعدہ نظامِ حکومت قائم کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور شاملی کے میدانوں کو جولانگاہ کے طور پر منتخب کر لیا گیا۔ ان مجاہدین نے فرنگی سے توپ اور دیگر ہتھیار چھین کر فرنگی کا مقابلہ کیا۔ شاملی تحصیل پر قبضہ کر لیا جب دہلی میں بعض نام نہاد مسلمانوں کی غداری نے مجاہدین کے حق میں جنگ کا پانسہ پلٹنے اور فرنگی کی واضح شکست کے بعد بھی فتح کو شکست سے تبدیل کر دیا تو شاملی کے محاذ پر بھی فرنگی کا دباؤ بڑھ گیا۔ اس جنگ میں مولانا عبد الجلیلؒ اور حافظ ضامنؒ شہید ہوئے اور شاملی پھر فرنگی کے قبضہ میں چلا گیا۔

فرنگی کے مظالم:

۱۸۵۷ء کا عظیم معرکۂ جہاد بھی خود غرضوں کی مفاد پرستی کی بھینٹ چڑھ گیا اور فرنگی نے اس بغاوت کا انتقام لینے کے لیے جو طریقے ایجاد کیے انہوں نے ہلاکو خان اور چنگیز خان کی روحوں کو بھی شرما دیا۔

بغاوت کے قیدیوں کو دریا میں غرق کر دیا گیا، زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سی کر آگ میں جلا دیا گیا، باہمی بد فعلی پر مجبور کیا گیا، مکانوں میں بند کر کے نذرِ آتش کیا گیا۔ کرنل ہڈسن نے مغل شہزادوں کو ننگا کر کے قتل کیا، ان کی لاشوں کو پاؤں تلے روندا اور پھر چاندنی چوک میں پھینکوا دیا۔

چھ چھ اشخاص کی ٹولیوں کو توپ کے منہ پر باندھ کر گولے کے ساتھ ان کے پرخچے اڑا دیے گئے۔ ایک ایک درخت پر سینکڑوں علماء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ہزاروں علماء کو کالے پانی میں قید کر دیا گیا۔ غرض یہ کہ ظلم و جبر کا جو حربہ بھی فرنگی کی سمجھ میں آسکتا تھا اس سے گریز نہیں کیا اور تہذیب و تمدن کے ان دعویداروں نے درندگی، بہیمیت اور وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔

تبلیغی مشن:

علماء کرام اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کی تحریک چلانے والوں کے اس ہمہ گیر قتل عام کے ساتھ فرنگی نے برصغیر میں عیسائی تبلیغی مشنوں کا جال بچھادیا لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنے رفقاء کی معیت میں فرنگی کے اس تبلیغی حملہ کا پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آگرہ کے مقام پر عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری فنڈر کو مولانا رحمت اللہ نے ایسی عبرتناک شکست دی کہ وہ دوسری بار مقابلہ میں آنے کی جرات نہ کرسکا اور ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مولانا رحمت اللہ نے ''اظہار الحق'' کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی جسے سلطان عبدالعزیزؒ عثمانی نے مختلف زبانوں میں چھپواکر تقسیم کیا۔ اس کے انگریزی ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۸۹۱ء میں لندن ٹائمز نے لکھاتھا کہ ''اگر یہ کتاب پڑھی جاتی رہی تو دنیا میں عیسائی مذہب ختم ہوجائے گا۔'' اس طرح امام ولی اللہ کے فکری خوشہ چینیوں کے ہاتھوں عیسائی تبلیغی مشن اپنے فطری انجام کو پہنچے۔